© rasailojaraid.com

راہ و رسمِ منزل

سید اسعد گیلانی صاحب

آج کے اِس دَور میں ہمارا مُسلم معاشرہ زبردست تخریب و انتشار سے دوچار ہے۔ اخلاقی قدریں منہدم ہوتی جارہی ہیں۔ اخلاق کے پیمانے ٹوٹ رہے ہیں۔ اتحادِ ملّی افتراق کی طوفانی رَو کی زد میں ہے۔ تہذیب و شائستگی کی حدود دھندلاتی جارہی ہیں۔ سماجی اور معاشرتی دائرے سے اعتماد و احترام رخصت ہو رہا ہے۔ معاشی میدان میں کمزور آزاری ایک معمول بن چکی ہے۔ سیاست انتظامِ مملکت اور تہذیبِ معاشرہ کا ذریعہ نہیں بلکہ جبر و تشدّد اور مظاہرۂ قوت کا راستہ بن گئی ہے۔ غیر اسلامی تصورات و اثرات نے ہمارے پورے ملّی وجود پر دھاوا بول رکھا ہے اور ہماری زندگی کا اب کوئی شعبہ ایسا نہیں رہ گیا ہے جسے اخلاق و تہذیب کے پیمانے سے ناپیں تو اسے کسی درجے میں بھی اطمینان بخش قرار دے سکیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ ہماری ملّت کی کشتی ہلاکت خیز طوفان کی ہیبتناک لہروں میں گھِر گئی ہے بلکہ ہمارے قومی افتراق کی چٹان سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی ہے۔ کافر طاقتیں ہماری تباہی پر خوش ہیں۔ لیکن ہم اب تک باہمی جنگ و جدل میں مصروف ہیں اور اپنی ملّی خودکشی کے تدریجی عمل کو مسلسل پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اپنی ساری قوتیں صرف کر رہے ہیں۔

اس کے نتیجے میں اب ہماری حالت کچھ ایسی بن کر رہ گئی ہے کہ ؎

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

اس بہیم اضطراب اور پریشانی میں مبتلا لوگ حالات کی سنگینی اور بحران کی شدّت میں عجیب عجیب باتیں سوچنے لگتے ہیں اور مضطرب ہو کر تعمیرِ ملّت کے لیے طرح طرح کی تجاویز ان کے سامنے آتی ہیں۔ چونکہ ملّت کے انحطاط و زوال کے اس بھیانک دَور میں ایک اسلامی تحریک بھی موجود ہے جو اس ملّت کی تعمیر و ترقی، احیائے دین اور دعوتِ اسلامی کا کام کر رہی ہے اس لیے اخلاق و اسلام سے محبت رکھنے والے لوگ فطری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طور پر اس کی کامیابی کو اپنی کامیابی اور اس کی ناکامی کو اپنی ناکامی سمجھتے ہیں۔ دعوتِ اسلامی کو آگے بڑھانے اور ناکامیوں سے بچانے کے لیے ان کے ذہن مختلف تجاویز و تدابیر لا لاکر سامنے رکھتے ہیں اور تحریک کی طرف سے ٹھنڈے اور دھیمے طرزِ عمل پر ان میں کبھی کبھی جھنجلاہٹ کے آثار بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ اس تمام سلسلہ ہائے خیالات پر غور و فکر کرنے کے لیے ابتدائی طور پر ہمیں چند باتیں اپنے ذہن میں رکھنی چاہییں۔

تحریکِ اسلامی کے چند پہلو

(۱) ہر اسلامی تحریک انسان کی پوری زندگی کو بندگیٔ رب کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے اُٹھتی ہے اور خدائی احکام کے نفاذ و ترویج کی دعوت دیتی ہے۔ احکام کا تعلق چونکہ انسان کی شخصی اور اجتماعی زندگی کے دونوں پہلوؤں سے ہوتا ہے اِس لیے لازماً اسے بیک وقت فرد، معاشرے اور حکومت کی اصلاح کے لیے اقدامات کرنے پڑتے ہیں۔ انفرادی اصلاح کے لیے اسے بنیادی طور پر بگڑے ہوتے معاشرے میں سے اُن افراد کو چھانٹنا ہوتا ہے جو اصلاح کو قبول کرکے اپنی عملی زندگی میں اسے نافذ کریں۔ اصلاح قبول کرنے والوں اور قبول نہ کرنے والوں کے درمیان امتیاز قائم رکھنا اس کے لیے نہایت ضروری ہوتا ہے تاکہ صحیح قسم کے لوگ اس تحریک کی نمائندگی کریں اور جس نوعیت کے معاشرے کی تشکیل کے لیے وہ جدوجہد کر رہی ہے اس کا ایک نمونہ اس کی جماعتی زندگی میں بھی نظر آئے اور بندگیٔ رب کے اثرات تحریک کے لیے کام کرنے والے افراد کی زندگیوں میں بھی نمایاں ہوں۔ پھر انہیں افراد کی مدد اور تنظیم سے وہ معاشرے کی اصلاح کے لیے جدوجہد کرتی ہے اور جس تناسب سے معاشرے کی اصلاح ہو اسی تناسب سے حکومت کی اصلاح کی کوشش ممکن ہوتی ہے۔

(۲) ایک اسلامی تحریک کسی باطل نظام کے غلبے کی حالت میں ہی نمودار ہوتی ہے تاکہ اس غلبے کو توڑ سکے۔ اسلامی نظام کی موجودگی میں اقامتِ دین کی کسی تحریک کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ خود اسلامی حکومت اور اس کے کارپرداز ہی اسلامی تحریک کے کارکنوں کا کام کرتے ہیں۔ باطل نظام کے غلبے کی حالت کافرانہ معاشرے میں بھی ہو سکتی ہے اور بگڑے ہوئے نام نہاد مسلم معاشرے میں بھی۔

(۳) خالص کافرانہ معاشرے میں باطل نظام کے خلاف جدوجہد کرنے میں اسلامی تحریک کو ایک لحاظ سے یہ سہولت حاصل ہوتی ہے کہ اس کی دعوت کے نتیجے میں معاشرے کا جو فرد بھی اسلامی دعوت کو قبول کرتا ہے وہ اپنی ذات، خاندان اور معاشرے سے پہلے ہی مرحلے میں لڑ کر اپنا مخلص، جاں نثار، ایثار پیشہ اور بہادر ہونا ثابت کر دیتا ہے اور دعوت کو قبول کرنے کے اوّلین مرحلے پر ہی اس تحریک کے بہترین کارکنوں میں شامل ہو جاتا ہے پھر جو کچھ تحریک اسے سکھاتی ہے وہ تن من دھن سے اس کو قبول کرتا چلا جاتا ہے۔ قیمتی سے قیمتی مفاد کو وہ تحریک کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے چھوڑ دینا ہے اور بڑی سے بڑی آزمائش کی بھٹی سے وہ گزر جاتا ہے۔ خواہشاتِ نفس سے لیکر عالیشان محلات تک کوئی اس کی راہ کا روڑا نہیں بن سکتے۔ لیکن بگڑے ہوئے مسلم معاشرے میں جہاں باطل نظام مسلط ہو گیا ہو وہاں مدعیانِ ایمان کی بڑی تعداد کو یہ نظام اپنے غالب اثرات کے ساتھ مصالحت کرنے کے نتیجے میں اس مقام پر لے آتا ہے کہ ان کی اصلاح کے لیے محض اقرارِ دعوت کافی نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ انحطاط کے جس مقام تک وہ پہنچے ہوئے ہوتے ہیں وہ اقرارِ ایمان کے ساتھ ساتھ ہی پہنچے ہوتے ہوتے ہیں۔ تحریکِ اسلامی کو ایسے ایک مسلم معاشرے میں کام کرنے کی یہ ابتدائی سہولت ضرور حاصل ہوتی ہے کہ اسے اسلامی دعوت کے منکرین سے سابقہ پیش نہیں آتا اور کڑی آزمائش کے مراحل آنے تک کافی عرصہ لگ جاتا ہے۔ لیکن ایسے معاشرے میں مخلص کارکنوں کی چھانٹی اور تیاری کے کام میں بہت دیر لگ جاتی ہے اس لیے کہ اقرارِ ایمان کے ساتھ جو منافیٔ ایمان اخلاقی بیماریاں انہیں لگی ہوئی ہوتی ہیں انہیں چن چن کر نکالنا نہایت مشکل اور طویل کام ہوتا ہے۔

(۴) اسلامی نظام صرف اسی معاشرے میں قائم متصور ہوتا ہے جہاں اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام اپنی پوری روح اور تفصیلات کے ساتھ نافذ ہوں اور اسے چلانے والے کارپرداز بھی اس کے پابند اور کاربند ہوں۔ اور باطل نظام وہاں قائم ہوتا ہے جہاں اور اس کے رسول کے سوا دوسروں کے احکام و قوانین کا نفاذ ہو، چاہے انہیں چلانے والے نام نہاد مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ تحریکِ اسلامی کا مقصدِ وجود ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے احکام و قوانین کا اجرا کرے۔ یہی مقصد ہر مسلمان کی زندگی کا فرداً فرداً بھی متعین کیا گیا ہے۔

اسلامی تحریک اور اس کی ہم عصر دیگر جماعتیں اسلامی تحریک کے بارے میں ان چند باتوں کی وضاحت کے بعد سب سے پہلے اس کی ہم عصر جماعتوں کے بالمقابل تحریکِ اسلامی کے کردار کو سمجھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ کسی جمہوری معاشرے میں باطل نظام کے اندر جہاں تحریکِ اسلامی بھی کام کر رہی ہو اور دوسری تنظیمیں بھی میدانِ عمل میں ہوں، ان دونوں کے فرق کو سمجھنا اشد ضروری ہے۔ اس لیے کہ ایک ہی میدان میں کام کرنے کے نتیجے میں بظاہر وہ یکساں نظر آتی ہیں اور سرسری نظر سے دیکھنے والا شخص دونوں کو اقتدار تک پہنچنے کی کوشش کرنے والی ایک ہی نوعیت کی جماعتیں شمار کر کے دونوں سے یکساں نوعیت کی توقعات باندھ لیتا ہے اور پھر نتائجِ کار کو مختلف دیکھ کر پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی معاشرے کی عام جماعتوں اور تحریکِ اسلامی میں باہمی کوئی مماثلت نہیں ہوتی۔

© rasailojaraid.com

دونوں کی جنس ہی الگ الگ ہے اور جس طرح دریائی گھوڑے اور صحرائی اونٹ میں باہمی کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا اسی طرح تحریکِ اسلامی اور دوسری جماعتوں میں بھی باہمی موازنے کے لیے کوئی شے بھی مشترک نہیں ہوتی۔ معاشرے کی عام جماعتیں غالب نظامِ باطل کی بہتر سے بہتر خدمت کا پروگرام بنا کر میدان میں آتی ہیں اور تحریکِ اسلامی اس نظامِ باطل کو اکھاڑ پھینکنے اور ایک دوسرا نظامِ حق لانے کا داعیہ لیکر اٹھتی ہے۔ اِس لیے نظامِ باطل اور اس کے کارپرداز جانتے ہیں کہ ان کی فلاح و بہبود اور مستقبل کی سلامتی کس گروہ کی کامیابی میں پوشیدہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی ہمدردیاں فطری طور پر دوسری جماعتوں کے ساتھ ہی ہوتی ہیں۔ پھر دوسرے درجے میں وہ عوام ہوتے ہیں جو باطل کے تحت رہتے رہتے اپنے مزاج کے اعتبار سے باطل پسند یا کم از کم باطل کو گوارا کرنے والے بن جاتے ہیں۔ جن کے مفادات باطل نظام سے وابستہ ہو چکتے ہیں۔ جو باطل کے ماحول، فضا اور گرد و پیش سے پوری طرح مانوس ہوتے ہیں اور ان کو ہر وہ شے غیر مانوس اور اجنبی محسوس ہوتی ہے جو رائج باطل نظام کی مخالفت یا اس سے متصادم ہوتی ہے۔ اس لیے وہ بھی تحریک کو سمجھے اور پرکھے بغیر اسی گروہ کی طرف جاتے ہیں جو اس غالب مادّی نظام کی چاکری اور خدمت کے لیے آگے بڑھ رہا ہوتا ہے۔ اس طرح بگڑے ہوئے معاشرے میں سے تحریکِ اسلامی اپنی محنت اور ریاضت سے جو کچھ چھانٹ لیتی ہے بس وہی اس کا ہوتا ہے، باقی سب کچھ آپ سے آپ اسی نظام کا ہوتا ہے جس کے تحت یہ معاشرہ جمع ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں باطل نظام کی پروردہ اور خادم جماعتوں کو اپنے لیے بنے بنائے ووٹر، بنے بنائے عوام، بنے بنائے لیڈر اور زندگی کا ہر شعبہ بنا بنایا مل جاتا ہے۔ صرف چند ہاتھ بدل جاتے ہیں۔ دوسری طرف اسلامی تحریک کو اپنی کامیابی کے لیے سب کچھ از سرِ نو بنانا پڑتا ہے اس کی اپنی قیادت، اپنے کارکن، اپنے انداز و اطوار، اپنے مقرر اور اپنے سامعین، اپنا اندازِ بیان اور اپنا آہنگ، غرض اسے سب کچھ از سرِ نو اپنا خود ہی بنانا پڑتا ہے۔ وہ صرف ہاتھ بدلنے کے لیے نہیں اُٹھتی، پورا نظام اور اس کی تمام جزئیات بدلنے کے لیے میدان میں آتی ہے۔ گویا دوسری جماعتوں کا کام مختصر ہے لیکن اسلامی تحریک کا طویل، جان لیوا، صبر آزما اور محنت طلب کام ہے باطل نظام کی خادم تنظیموں کو جمہوری مقاصد کے لیے نعروں اور وعدوں کے زور سے صرف انتخابی فیصلے تک لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور سمیٹنا ہوتا ہے۔ جبکہ ایک اسلامی تحریک کو باطل کے مقابلے میں حقائق بیان کر کے دلائل کے ساتھ سچی سچی باتوں کے ذریعے مخاطب کو قائل کر کے اپنے ساتھ ملانا ہوتا ہے۔ اگرچہ قائل ہو کر آنے والا آدمی مضبوط اور پائیدار ساتھی ہوتا ہے اور جھوٹے سچے وعدوں سے مائل ہونے والا شخص جلد ہی ایفائے وعدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے مایوس ہوکر دوسری طرف لڑھک جاتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ قائل تو اکّا دکّا افراد ہوتے ہیں لیکن عوام کی نفسیات کو سامنے رکھ کر جھوٹے وعدوں کے زور سے اخلاق سے بے نیاز جماعتیں بڑے بڑے ہجوموں کو اپنی طرف مائل کر لیتی ہیں۔

اسلامی تحریک کا اندازِ تخاطب | ا۔ نو آزاد ممالک میں جہاں معاشرہ جمہوری آداب و روایات سے مانوس نہیں ہوتا وہاں یہ بات نہایت تکرار او راصرار سے کہی جاتی ہے کہ دھیما اور معتدل طرزِ تخاطب کامیاب نہیں رہتا۔ بعض لوگوں کے خیال میں اسلامی تحریک کے لیڈروں کی تقاریر میں بھی لب ولہجہ کی شدّت بھرپور ہونی چاہیے اور عوامی اجتماعات میں شدّتِ بیان کا پورا پورا حق ادا ہونا چاہیے۔ جن لوگوں کی غلطیاں بیان کی جائیں ان کے پرخچے اڑا کر رکھ دیے جائیں۔ دعوت کے مخالفین کو خوب جلی کٹی سنائی جائیں۔ ان کی ایک ایک غلطی چن چن کر بڑی قوت، بڑی شدّت، اور بڑی حدّت وحرارت سے بیان کی جائے۔ اور تقریر کے زور سے دعوت کے مخالفین کو اڑا کر رکھ دیا جائے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے دعوتی جلسوں میں جان پڑتی ہے اور اس لب و لہجہ اور آہنگ کو لوگ پسند کرتے، سمجھتے اور شیوۂ مردانگی شمار کرتے ہیں اور جمہوریت کا منشا عوام کو اپنے ساتھ لگانا ہی ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اندازِ فکر تحریکِ اسلامی کے نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے۔ بلکہ اسلامی تحریک کے اندازِ تخاطب سے مکمل ناواقفیت کی علامت ہے۔ مسلمان نہ کسی کے لیے جا نام دھر سکتا ہے۔ نہ نا ئزبالالقاب کرسکتا ہے۔ نہ جھوٹی اور مبالغہ آمیز بات کرسکتا ہے۔ اور نہ اسٹیج پر کھڑا ہوکر اداکاری کے جوہر دکھا سکتا ہے۔ اسے تو اچھے طریقے سے اچھی بات کہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا۔ اگر کسی کو تحریکِ اسلامی میں آکر بھی یہی کچھ کرنا تھا تو اس کام کے لیے بہت سی دوسری جماعتوں کے پلیٹ فارم پہلے سے موجود تھے۔ گالی، نام بگاڑنا، ایکٹنگ اور بے جا شدّتِ بیان تحریکِ اسلامی کے دائرۂ کار سے باہر ہے اور نتیجہ کے اعتبار سے بھی اس راستے کی منزل اقامتِ دین نہیں ہے۔

دینِ اسلام کے مزاج سے ذرا سی واقفیت رکھنے والا اور حضور اکرمؐ اور آپؐ کے صحابۂ کرامؓ کی جماعت کے مزاج و اطوار سے آگاہ آدمی تحریکِ اسلامی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ جھوٹ کا جواب جھوٹ سے، الزام کا جواب الزام سے، بہتان کا جواب بہتان سے اور گالی کا جواب گالی سے دے۔ اسلامی تحریک تو اپنا مخصوص مزاج، اطوار، اور افتادِ طبع رکھتی ہے، اس کی اپنی فکر، زبان، اور لغت ہوتی ہے، اس کا اپنا لب ولہجہ اور اندازِ بیان ہوتا ہے۔ اس کے طرزِ عمل کے اندر سے تو خدا کا خوف اور اسلامی نظام کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خوشبو آیا کرتی ہے ۔ وہ بگاڑ کا جواب بگاڑ سے نہیں بلکہ اصلاح سے دیا کرتی ہے ۔ اگر اُس کو بھی اپنے وجود سے بگاڑ ہی میں اضافہ کرنا ہو تو پھر اُسے اسلامی نظام کی خادم ہونے کا دعویٰ چھوڑ کر باطل کی خدمت میں ہی لگ جانا چاہیے جو راستہ مختصر بھی ہے اور سہل الحصول بھی ۔ بلکہ پھر اسے اپنا نام بھی بدل دینا چاہیے اور اپنے دعوے سے بھی دستبردار ہو جانا چاہیے تاکہ خلقِ خدا دھوکا نہ کھائے ۔

۲ ۔ اسلامی تحریک ان جماعتوں کی کامیابی سے نہ کبھی ذہنی مرعوبیت میں مبتلا ہوتی ہے اور نہ ان کے حربوں کی تقلید کر سکتی ہے جو لب و لہجہ کے تشدّد، گالم گلوچ، الزامات و بہتانات، شخصیت کے قتل (CHARACHTER ASSASINATION) اور بڑے پیمانے پر اخلاق باختگی کا مظاہرہ کر کے، جبر و تشدّد، دھاندلی، غیر اخلاقی حربوں، اور جوڑ توڑ سے اقتدار پر قبضہ کرتی ہیں ۔ سیاسی کامیابی کا یہ راستہ اسلامی تحریک کا راستہ نہیں ہے، نہ ہو سکتا ہے ۔ وہ تو دعوتِ اسلامی کے لیے اخلاقی طریقے اور اسلامی آدابِ جدوجہد ہی اختیار کر سکتی ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ جاہلی تحریکوں کے سے انداز اختیار کر کے اگر کوئی اسلامی تحریک کامیابی حاصل کرے تو وہ کامیابی سرے سے تحریکِ اسلامی کی کامیابی ہی نہ ہو گی بلکہ وہ تو اس کی ناکامی ہے ۔ یہ طور طریقے اختیار کرنے کے بعد پھر وہ تحریکِ اسلامی ہی کہاں باقی رہ جائیگی ؟ دنیا کی عظیم ترین تحریکِ اسلامی کو جو خدائی ہدایات دی گئی تھیں اور جن ہدایات کی پابند ہر دور کی ہر اسلامی تحریک ہے، ان کی روشنی میں تو کا فرعون تک کو وقت کا نبی "اے میری قوم"، "اے میری قوم کے اکابر"، کہہ کر خطاب کرتا ہے اور اسے واضح ہدایت ہے کہ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (النحل ۱۲۵) "اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے سے جو بہترین ہو"۔

ظاہر ہے کہ تحریکِ اسلامی جس اسلامی دعوت کی علمبردار ہے اس دعوت کو فریضہ قرار دینے والے مالک الملک نے اس دعوت کو پیش کرنے کا طریقہ بھی خود ہی بیان کر دیا ہے اور اس مخصوص طریقے کے سبب اسلامی تحریک دوسری سب جماعتوں سے ممتاز اور نمایاں قرار پاتی ہے ۔ یہ طریق چھوڑ دیا جائے تو پھر دیندار قسم کے لوگوں کا ایک جھنجھلایا ہوا گروہ تو باقی رہ جاتا ہے جو غم و غصہ سے بھرا ہوا جو کلمہ منہ میں آتا ہے کہے جاتا ہے لیکن وہ اپنے مزاج اور طریقۂ کار کے لحاظ سے تحریکِ اسلامی نہیں رہ جاتی ۔ ظاہر ہے کہ یہ طرزِ عمل دعوتِ اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو بٹہ لگانے کے مترادف شمار ہوگا۔ خدا کے ہاں اپنی کہی ہوئی ایک ایک بات کی جواب دہی سے بے خوف واعظین اور مقررین کے گروہ کو اسلامی تحریک کے کارکن کہنا مشکل ہوگا۔ ان کی پیش کی ہوئی دعوت کو دعوتِ اسلامی کہنا دشوار رہوگا۔ اور ان کے لائے ہوئے نظام کو اسلامی نظام سمجھ کر اس سے فلاحِ انسانیت کی امیدیں وابستہ کرنا بھی خام خیالی ہوگا۔

صبر کا طویل راستہ | درحقیقت اسلامی دعوت کا راستہ بیحد صبر آزما اور بہت طویل ہے۔ جسے عجلت ہو اور جس کے لیے صبر بھی مشکل ہو اسے یہ راستہ بالعموم راس نہیں آتا۔ ہر راستے کے لیے زادِ راہ ہوتا ہے اور اس راستے کا زادِ راہ ہی درحقیقت صبر اور توکل علی اللہ ہے۔ حسن البنا شہیدؒ نے اپنے ساتھیوں کو تلقین کرتے ہوئے کیا خوب بات کہی تھی۔

"آپ کا راستہ ایک متعین راستہ ہے۔ مجھے پورا اطمینان ہے کہ یہ منزل تک پہنچنے کا سب سے زیادہ محفوظ راستہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح آپ کا راستہ بہت طویل ہو جائے گا لیکن اس کے سوا دوسری کوئی صورت بھی نہیں ہے۔ مردانگی تو صبر، کوشش اور مسلسل اور خاموش کام میں ہی ہے۔ جو کوئی پکنے سے پہلے ہی پھل کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے وہ وقت سے پہلے ہی پھول توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں اس جلد بازی کے حق میں نہیں ہوں جس کو جلدی ہو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اس صبر آزما دعوت کو چھوڑ کر دوسری جماعتوں کا رُخ کرے جہاں اس کے جذبہ عجلت پسندی کی تسکین کا سامان ہو سکتا ہے۔ جو ہمارے ساتھ صبر سے کام لیتا ہے اس کا اجر اس کے اللہ کے پاس ہے جو ضائع ہونے والا نہیں ہے۔ پھر یا تو کامیابی و کامرانی قدم چومے گی یا ہم مرتبہ شہادت و سعادت سے بہرہ مند ہوں گے۔"

دعوت کے اس سارے کام میں جو بات کسی لحظہ فراموش نہیں کی جا سکتی وہ یہ ہے کہ ہم کس کا کام کر رہے ہیں؟ اور جس کا کام کر رہے ہیں وہ ہمارے اس کام سے باخبر ہے یا بے خبر ہے؟ اور باخبر ہے تو وہ غالب ملکوں کا مالک، اور اجر دینے پر قادر ہے یا نہیں ہے؟ اگر غالب وہی ہے تو پھر وہ جب چاہے گا کامیابی کا راستہ کھول دیگا۔ مزدور کا کام تو یہ ہے کہ وہ اپنے آقا کا کام اپنی مزدوری کی ضمانت کے ساتھ برابر کرتا رہے اور ظاہر ہے کہ مالک الملک کا کام کرنے والوں کے لیے مزدوری کی ضمانت موجود ہے۔

صبر کے اس طویل راستے کی طرف خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رہنمائی فرمائی ہے حضورؐ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے پرصعوبت ماحول میں کئی برس تک دعوتِ اسلامی پیش فرماتے رہے اور ہر طرف سے انکار و تکرار پہ اصرار ہوتا رہا۔ ایک روز حضورؐ دیوارِ کعبہ سے ٹیک لگائے تشریف فرما تھے اتنے میں حضورؐ کے ایک جاں نثار ساتھی جن کے مصائب زبان زدِ عام تھے تشریف لائے اور اسلامی تحریک کے کارکن کی حیثیت سے ایک مشہور و معروف سوال کیا۔ وہ زخموں سے چُور، گریباں چاک، تشدد کا نشانہ مجسم سوالیہ نشان بنے ہوئے کھڑے تھے "حضورؐ اسلامی نظام کب آئے گا مصیبت کے یہ دن کب کٹیں گے ؟"۔

یہ سوال سُن کر حضورؐ کا چہرۂ مبارک تمتما اٹھا جیسے حضورؐ کو اپنے جان نثار ساتھی کا یہ کلمہ ناگوار گزرا ہو۔ حضورؐ دیوارِ کعبہ کی ٹیک چھوڑ کر سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا :

"ارت کے بیٹے خبابؓ، ابھی سے گھبرا گئے۔ تم سے پہلے جن لوگوں نے یہ کام کیا ان میں سے بعض کو تو لوگوں نے گڑھے کھود کر زمین میں گاڑ دیا اور پھر آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا۔ اور بعض کو گاڑ کر لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت اور ہڈیاں الگ کر دیئے۔ اور تم ابھی سے گھبرا گئے ہو :"

اور پھر وقفہ کے بعد فرمایا :

"ایک وقت آئے گا جب اللہ کا دین سربلند ہوگا اور ایک معمولی عورت بھی ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سونا اچھالتی چلی جائیگی۔ لیکن تم تو بے صبری کرتے ہو"

صبر، مسلسل کام، آزمائش میں ثابت قدمی، مخالفین کے مقابلے میں شرافت، گالیوں کے بدلے میں دعائیں۔ اللہ کے دین کی اس راہ کا مسافر یہ زادِ راہ ہر دور میں لے کر چلتا رہا ہے۔ تاریخِ انسانی کے جس دور میں بھی کسی نے دعوتِ اسلامی کو اپنی منزل بنایا اور رضائے الٰہی کو اپنا مقصودِ زندگی ٹھیرایا اس کا یہی طرزِ عمل رہا ہے۔

حضرت انسؓ بن مالک سے ترمذی نے روایت کی ہے کہ

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آزمائش جتنی سخت ہوگی اتنا ہی بڑا انعام ملے گا۔ بشرطیکہ آدمی مصیبت سے گھبرا کر راہِ حق سے بھاگ نہ کھڑا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جب کسی گروہ سے محبت کرتا ہے تو اس کو مزید نکھارنے اور صاف کرنے کے لیے آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔ پس جو لوگ اللہ کے فیصلے پر راضی رہیں اور صبر کریں تو اللہ ان سے خوش ہوتا ہے اور جو لوگ اس آزمائش میں اللہ سے ناراض ہوں تو اللہ بھی ان سے ناراض ہو جاتا ہے"

اس راستے میں بدی کو بھی نیکی سے رفع کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ فرمایا :

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (حٰمٓ السجدہ ۳۴) "نیکی اور بدی یکساں نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔"

صبر و حکمت اسلامی تحریک کا بنیادی طرزِ عمل ہے۔ تحریک کا دورِ تیاری سخت آزمائشوں سے بھرپور ہوتا ہے اور اس دور میں تحریک کے ہر کارکن کے لیے یہی حکم ہے کہ وہ ہر مصیبت کے مقابلے میں صبر سے کام لے اور مستقل مزاجی سے اپنے طریقے پر قائم رہے۔ حضورؐ نے اپنے ایک ساتھی سے خود فرمایا کہ اسلام کے سلسلے میں سب سے جامع بات یہ ہے کہ:

قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ (مشکوٰۃ) "آمنت باللہ کہو اور پھر اس پر جم جاؤ۔"

حضورؐ کی اسلامی تحریک کا مکی دور اس کی بہترین مثال ہے۔ وہ بڑے بڑے جوانمردانِ اسلام جنہوں نے بعد میں روم و ایران کو فتح کیا اور قلعۂ خیبر کے دروازے کو اپنی قوتِ بازو سے اکھاڑ دیا، جنہوں نے بدر کے اندر کفار کے پہلوانوں کو ککڑی اور کھیرے کی طرح کاٹ کر رکھ دیا، وہ مکے کی گلیوں میں گھسیٹے، مارے اور لہولہان کیے گئے لیکن صبر کی مُہر ان کے لبوں پر اور استقامت کی قوت ان کے قدموں میں قائم رہی۔ اس لیے کہ ابھی تربیت و تیاری کے مراحل باقی تھے اور انہیں ابھی مزاحمت کا حکم نہ ملا تھا۔ ابھی سونے کو تپا تپا کر کندن بنایا جا رہا تھا۔ ابھی باطل سے طاقت آزمائی کے لیے متوازن اور مناسب طاقت جمع نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ انہی دنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے ایک ساتھی کو گزشتہ دور کے ایک نبی کا قصہ سنایا جس قصے میں خود حضورؐ کی اپنی تمثیل موجود تھی۔ حضورؐ نے فرمایا۔

"وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ دعوت دینے کے جُرم میں ایک نبی کو اتنا مارا گیا کہ لہولہان کر دیا گیا اور نبی کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے اور یہ کہتے جاتے اے اللہ میری قوم کے اس جرم کو معاف کر دے، یہ ناواقف لوگ اصل حقیقت کو نہیں جانتے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مکے سے مدینے کی نقل مکانی نے اس عظیم اسلامی تحریک کے سامنے دورِ ضعف اور دورِ قوت یا دوسرے الفاظ میں عدمِ مزاحمت اور مزاحمت کے فرق کو پوری طرح نمایاں کر دیا اور مدینے کی نقل مکانی باطل کے مقابلے میں مزاحمت کی واضح علامت بن کر سامنے آ گئی۔ لیکن جب ایسی کوئی واضح علامت کسی تحریک کے سامنے موجود نہ ہو تو اسے قوت کے ذریعے مزاحمت کا فیصلہ کرنے کے لیے ہزار بار سوچنا لازم ہوتا ہے۔ اِس لیے کہ تحریکِ اسلامی کوئی ایسا کھلونا نہیں ہوتی جسے بچے کی طرح جب چاہے ٹکرا کر توڑ پھوڑ دیا جاتے اور جب دل چاہے بنا لیا جائے۔ یہ ایک ایسی امانت ہے جو صدیوں کے بعد کسی مخلص مسلم گروہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالے ہوتی ہے۔ اور اس کی قیادت حکمت و دانائی سے اور اس کی پیروی صبر و استقامت سے کی جاتی ہے۔ اسلامی تحریک کے ساتھ چلنے والوں کو مخاطب کر کے اس راہ میں صبر و استقامت کی تلقین کرتے ہوئے خود خالقِ کائنات نے فرمایا:

"اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ" ۔ (البقرہ ۲۱۴)

"کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے۔ ان پر سختیاں گزریں مصیبتیں آئیں۔ وہ ہلا مارے گئے حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ (اس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ) ہاں اللہ کی مدد قریب ہے"۔

ہمارے دور کے عظیم قائدِ تحریکِ اسلامی مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے ۱۹۶۳ء میں ایک جابر حکومت کے جبر و تشدد کی چلتی ہوئی گولیوں کے درمیان کھڑے ہو کر اپنے ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے کیا خوب کہا تھا:

"میرے عزیز ساتھیو، اللہ کے دین کے لیے جس کو کام کرنا ہو اس میں دو صفتیں ضرور ہونی چاہییں ایک صبر۔ دوسرے حکمت۔ صبر کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی راہ میں جو رکاوٹ بھی ڈالی جائے اس پر نہ تو مشتعل ہو کر آپ ذہن کا توازن کھو بیٹھیں اور نہ دل شکستہ ہو کر اپنے مقصد کے بجائے رکاوٹ ڈالنے والوں کا مقصد پورا کریں، بلکہ ہر رکاوٹ پیش آنے پر آپ کا عزم جوں کا توں قائم رہنا چاہیے اور جذبات کی گرمی سے اپنے دل و دماغ کو محفوظ رکھ کر آپ کو وہ راہ اختیار کرنی چاہیے جو حکمت کے مطابق ہو"۔

پھر آگے چل کر حکمت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا

"حکمت یہ ہے کہ آپ بس ایک ہی لگی بندھی راہ پر آنکھیں بند کر کے چلنے کے عادی نہ ہوں بلکہ آپ میں یہ صلاحیت ہو کہ ایک راستہ بند ہوتے ہی دس دوسرے راستے بروقت نکال لیں۔ جس شخص میں حکمت نہیں ہوتی وہ ایک راہ کو بند پا کر بیٹھ جاتا ہے اور۔ اس کے ساتھ اگر بے صبر بھی ہو، تو پھر یا تو اس رکاوٹ سے اپنا سر پھوڑ لیتا ہے یا راہ روی سے ہی باز آ جاتا ہے۔ مگر جسے اللہ نے حکمت اور صبر دونوں سے نوازا ہو وہ جوتے رواں کی طرح ہوتا ہے جس کی منزل کوئی چیز بھی کھوٹی نہیں کر سکتی۔ چٹانیں منہ دیکھتی رہ جاتی ہیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دریا کسی اور طرف سے اپنی منزل کی طرف بہ نکلتا ہے۔"

پھر بند راستوں کے مقابلے میں کام کے دوسرے راستوں کی وضاحت کرتے ہوئے کہا "ہمارے لیے اپنا پیغام پہنچانے اور اپنی دعوت پھیلانے کی بس یہی ایک صورت نہیں ہے کہ ہم جلسوں میں تقریریں کریں اور ہزاروں آدمی انہیں سنیں۔ یہ تو کام کی ایک صورت ہے۔ آپ تین تین چار چار آدمیوں کے وفود کی شکل اختیار کر کے علاقے میں پھیل جائیں۔ گھر گھر، دکان دکان اور مسجد مسجد جائیے۔ فرداً فرداً لوگوں سے ملیے۔ ایک ایک شخص کو بتایئے کہ جماعت اسلامی کیا ہے، اس کا نظام کیا ہے، اس کا مقصد کیا ہے، اس کا طریق کار کیا ہے، وہ کن چیزوں کی اصلاح کرنا چاہتی ہے اور کن بھلائیوں کو قائم کرنا چاہتی ہے ——— جو لوگ بحث میں الجھنے کی کوشش کریں ان سے الجھے بغیر گزر جائیے۔ آپ کا طریق اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ کی ربانی ہدایت کے مطابق ہونا چاہیے۔ آپ کی زبان شیریں ہو۔ آپ کے اخلاق پاکیزہ ہوں۔ آپ کا برتاؤ شریفانہ ہو۔ آپ برائی کا جواب بھی بھلائی سے دیں اور اپنی زبان ہی سے نہیں اپنے رویے سے بھی یہ ثابت کر دیں کہ آپ فی الواقع بدی کی جگہ نیکی قائم کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد یقین رکھیے کہ اللہ کی رحمت آپ کے ساتھ ہوگی اور جتنا کام آپ کریں گے اس سے زیادہ کام اللہ کے فرشتے آپ کے ساتھ مل کر کریں گے۔"

اب آپ دورِ نبوت کی اسلامی تحریک میں سے حکمت کی مثال لیجیے۔ یہ مثال صلح حدیبیہ ہے۔ کفار مزاحمت پر آمادہ ہیں۔ مسلمانوں کی طاقت اپنی تعداد، حالات، محلِ وقوع اور سروسامان کے لحاظ سے ناکافی ہے، اور تبلیغِ دین کے لیے نئے نئے راستے نکالنے کی ضرورت ہے۔ قائدِ تحریک کفار کی مزاحمت پر طرح دے جاتے ہیں۔ بعض شرائط صلح بظاہر مسلمانوں کو ناپسند ہیں اور کمزوری کا نشان نظر آتی ہیں۔ لیکن قائدِ تحریک آئندہ کے وسیع تر تبلیغی امکانات پیدا کرنے کے لیے صلح اور مصالحت کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ قرآن صلح و مصالحت کی اس کارروائی کو فتحِ مُبین قرار دیتا ہے اور واقعی وہ فتحِ مبین بن کر رہتی ہے۔ تحریک کو ایک بڑے دشمن کے ساتھ مستقل تصادم سے چند دنوں کے لیے نجات مل جاتی ہے جس سے

لہ واضح رہے کہ اُس وقت کُل پاکستان جماعت اسلامی کے اجتماعِ عام کے عین موقع پر حکومت نے یکایک ایک آرڈی نینس جاری کر کے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ممنوع کر دیا تھا۔ اس لیے عام جلسوں کا سارا پروگرام ملتوی کرنا پڑا اور امیر جماعت نے فوراً دوسرا پروگرام بنا دیا جو عام جلسوں کی بہ نسبت زیادہ مفید و مؤثر ثابت ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فائدہ اٹھا کر متعدد چھوٹی بڑی فتوحات، قبائل سے معاہدات اور تبلیغ کے ذریعے تحریک کے لیے کامیابی کے بےشمار دوسرے امکانات روشن ہو جاتے ہیں۔

جوش و جذبہ اور حکمتِ کار کا باہمی تعلق متوازن اور معقول ہو تو تحریک کا کام بڑھتا ہے جوش و جذبہ نہ ہو صرف حکمت ہو، تو راستہ زیادہ طویل اور سفر زیادہ بوجھل ہو جاتا ہے۔ صرف جوش و جذبہ ہو اور حکمت نہ ہو تو تحریک راستے میں آنے والی کسی بھی چٹان سے سر پھوڑ کر ختم ہو جاتی یا میلوں دُور چلی جاتی ہے۔ جوش و جذبہ کی مثال پٹرول کی سی ہے۔ پٹرول کے ڈرم کو یک وقت آگ لگا دیجیے تو وہ تباہی کا سامان ثابت ہوگا۔ اور گاڑی کے انجن میں ڈال کر تھوڑا تھوڑا کنٹرول کے ساتھ استعمال کیجیے تو طویل منزلیں بھی مختصر ہوتی چلی جائیں گی۔

اسلامی تحریک کے کارکن اس مرحلہ پر یہ مسئلہ بھی غور طلب ہے کہ کیا ہر اجتماعی جدوجہد کے لیے ایک ہی طرز کے پُرجوش، فعال، متحرک اور جاندار کارکن کام دے جاتے ہیں یا ہر تحریک اپنے لیے اپنی طرز کے مخصوص کارکن تیار کرتی ہے اور اپنے مطلوبہ نظام کو لانے اور اپنے متعین مقصد تک پہنچنے کے لیے علیحدہ علیحدہ قسم کے کارکن تیار کرتی ہے؟ اس بات کا جواب بہت آسان ہے۔ اشتراکیت ایک معاشی تحریک ہے۔ اس کے لیے وہی لوگ درکار ہیں جو زندگی کے ہر مسئلے کو روٹی کپڑا اور مادّی مفاد کی نظر سے ہی دیکھیں، اس کے سوا مسائل کو پرکھنے کا کوئی دوسرا پیمانہ وہ قبول نہ کریں اور اُس مزاج اور کردار کے سانچے میں ڈھلے ہوتے ہوں جو اشتراکی نظام آدمی کو دیتا ہے۔ اسی طرح ہر ملک کی سیاسی جماعتوں کا واحد مقصد حصولِ اقتدار ہی ہوتا ہے اور وہ ہر مسئلے کو اسی نظر سے دیکھتی ہیں کہ اقتدار پر قبضہ کرنے کے لیے مختصر ترین راستہ کون سا ہے تاکہ موجودہ نظام کی مذمت اور اپنے کارکنوں کو سیاسی فائدہ پہنچانے کا کام وہ کر سکیں۔ اس کے مقابلے میں اسلامی تحریک اپنی فکر اور مزاج کے لحاظ سے ایک اخلاقی تحریک ہے۔ وہ اپنے کارکنوں میں اسلام کا فہم اور اسلام کی اطاعت اور اس پر عمل کا اہتمام پیدا کیے بغیر ان سے کوئی مثبت کام نہیں لے سکتی۔ اور ایسے لوگ جو ان باتوں سے اپنی عملی زندگی میں عاری ہوں، چاہے وہ کتنے ہی پُرجوش نعرے اسلام کے حق میں لگائیں، ان کے ہاتھوں سے اُسی طرح اسلامی نظام نافذ نہیں ہو سکتا، جس طرح ہمارے ملک کو قائم کرنے والی جماعت۔ اسلامی نظام قائم کرنے میں ناکام رہی۔ حالانکہ اس کا نعرہ پاکستان کو اسلامی ریاست ہی بنانے کا تھا۔

ہر تحریک اپنا ایک مزاج رکھتی ہے۔ جو شخص اسلامی تحریک کے ساتھ اس لیے چلا آیا ہے کہ یہاں وہ اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشی مفادات کا سب سے پہلے تحفظ کر سکے وہ یہاں ہر چیز کو معاشی نقطہ نظر سے ہی دیکھے گا اور طبقاتی کشمکش کا ماحول بنا کر ذرائع پیداوار پر قبضہ کرنے کی اسکیم ہی بنائے گا۔ ایسا کارکن اسلامی تحریک کے کام نہیں آسکتا۔ جس کارکن کا مقصد اقتدار پر قبضہ کر کے سیاسی اور مادی مفادات کا جلد از جلد حصول اور اپنے ساتھیوں کو اعلیٰ مناصب تک پہنچانا ہو اس کا مقام بھی اسلامی تحریک میں نہیں بلکہ ملک کی کسی دوسری سیاسی جماعت ہی میں ہوگا۔ البتہ جس شخص کا مقصد اسلامی نظام کو اس کی ساری برکات کے ساتھ نافذ کرنا اور اس جدوجہد کو اپنے خدا کے پاس اپنا کارنامہ زندگی بنا کر پیش کرنا ہو اس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ مطالعۂ لٹریچر کے ذریعے پہلے تحریک اسلامی کو سمجھے، اس کی تاریخ پر نظر ڈالے، اس کے داعی کے کردار اور اس کی ساری جدوجہد کا مطالعہ کرے، اس تحریک کا اصل مقصدِ وجود جاننے اور اسلامی نظام قائم کرنے والے کارکنوں کی طرح اسلامی نظام کے تمام تقاضوں کو اپنی انفرادی زندگی بول چال، گفتگو، چال ڈھال غرض ہر چیز میں نمایاں کرے۔ یہاں تک کہ اس کو دیکھ کر ہی ہر شخص کہہ سکے کہ اس شخص کا تعلق لازماً تحریک اسلامی سے ہے۔ درحقیقت اسلام کے سانچے میں ڈھلے ہوئے کارکن ہی اسلامی نظام قائم کر سکتے ہیں۔ اور اس سانچے کو توڑ کر خود اپنی ہی خواہشات کے سانچے بنانے اور ان میں ڈھلنے والے کارکن شاید اور تو کچھ کر سکیں لیکن اسلامی نظام کی تعمیر و تشکیل کا کام ہرگز نہیں کر سکتے۔

اسلامی تحریک کے لیے اسلامی کردار کے کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے اور جو لوگ بھی کسی معاشرے میں اسلامی تحریک سے وابستہ ہوتے ہیں ان کی اسلامی تربیت ناگزیر ہوتی ہے۔ تربیت کا یہ کام نئے کارکنوں کی نفسیات کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہوئے ہی انجام دیا جا سکتا ہے۔ جس طرح سے طبیب ایک ہی بوتل میں سے ہر مریض کو دوا نہیں دیتا اسی طرح ایک ہی بندھے ٹکے طریقے سے مختلف کارکنوں کی تربیت بھی ممکن نہیں ہوتی۔ اس کے لیے حکمت اور نفسیاتی طریق کار کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ توحید اور اس کے لازمی تقاضوں سے آگاہی، خالص للّٰہیت پر مبنی کام، اپنی زندگیوں میں سے غیر اللہ کی ہر نوعیت کی قہرمانی کا خاتمہ، رسالت اور اس کی ہمہ گیر رہنمائی کو قبول کرنا، آخرت کا تصور اور اس میں جوابدہی کا مکمل شعور۔ یہ چیزیں تربیت کا اوّلین تقاضا ہیں۔ اس سلسلے میں داعیٔ تحریکِ اسلامی نے تربیت کارکنان کے لیے بڑی عمدہ رہنمائی کی ہے۔

"آپ باہر کی مخالفتوں کی فکر نہ کریں بلکہ ساری فکر اپنی کمزوریوں کو رفع کرنے کی کریں۔ اللہ سے اپنا تعلق بڑھائیے۔ اللہ سے محبت اور اس کا خوف دل میں جاگزیں کیجیے۔ ریا، فخر، نمود و نمائش اور خودغرضی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بچیے۔ جو کچھ کیجیے خلوصِ قلب کے ساتھ خالص اللہ کے لیے کیجیے اور اسی سے اجر کی اُمّید پر کیجیے دنیا میں آپ کی محنتوں اور کوششوں کا کوئی پھل بھی آپ کو نہ ملے بلکہ اُلٹا نقصان بھی ہو تب بھی بدی کو مٹانے اور نیکی کو قائم کرنے کے لیے جان، مال، وقت، قابلیت کسی چیز کو کھپا دینے سے دریغ نہ کیجیے۔ آپس کے بغض اور کدورتوں کو دل سے نکال پھینکیے اور محبت و خیر خواہی سے اپنی جماعت کے اندرونی رخنوں کو بھر کر ایک بنیانِ مرصوص بن جائیے۔ جماعت میں جو خرابی بھی کہیں پیدا ہو اس میں دوسروں کا قصور ڈھونڈنے کے بجائے یہ سوچیے کہ آپ کا اپنا قصور کیا ہے۔ آپ میں سے ہر شخص جب اپنے اپنے قصوروں کا تدارک اور اپنے اپنے فرض کو ادا کرے گا تو سب ہی کے قصوروں کا ایک ساتھ تدارک ہو جائے گا۔ اور جماعت کے قدم اس سے زیادہ تیز چلیں گے جتنے اب ہماری کوتاہیوں کے باوجود تیز ہیں۔"

(باقی)

(بقیہ مطبوعات)

زیرِ تبصرہ کتاب ڈاکٹر صاحب کے اُن خطوط کا مجموعہ ہے جو انہوں نے جیل کی چار دیواری سے اپنے عزیزوں اور دوستوں کو تحریر کیے۔ ان خطوط کے ایک ایک لفظ سے ڈاکٹر صاحب کی خدا سے غیر معمولی محبت، اُس کی رحمت پر کامل بھروسہ، جس مسلک کو اُنہوں نے اختیار کر رکھا تھا اُس کے برحق ہونے کا پورا یقین اور اس کے لیے ہر قسم کے ایثار کا جذبہ پوری طرح جھلکتا ہے جو شخص بھی ان خطوط کو پڑھتا ہے اُس کے اندر ایمان کی حرارت اور اللہ کے دین کو سر بلند کرنے کا ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ اس بنا پر ہم تمام پڑھے لکھے مسلمانوں، بالخصوص اقامتِ دین کی جدوجہد میں شریک ہونے والے سب حضرات سے ان کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اس فرض کو کس عزم، حوصلے، تدبر اور یکسوئی کے ساتھ ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ فرض انسان سے کس قسم کی قربانی کا طالب ہے۔

کتاب کو بڑے سلیقے سے مرتب کیا گیا ہے اور اس کی کتابت و طباعت عمدہ ہے۔ البتہ کتابت کی چند غلطیاں رہ گئی ہیں۔

© rasailojaraid.com